حسینؑ آزادی کے علمبردار

نواب مظفر علی خان صاحب قزلباش تعلقدار نواب گنج علی آباد، بہرائچ

حسینؑ! انسانیت کا تجھ سے مستقبل ہوا روشن
تجھے ہم آفتاب صبح آزادی سمجھتے ہیں

واقعۂ کربلا، انسانی تاریخ میں ایک ایسی درخشاں مثال ہے، جو رہتی دنیا تک بلا امتیاز عقائد، نوع انسانی کو دعوت حق دیتی رہے گی۔ اور دنیا کے ہر طبقے کو حق و صداقت کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کی ترغیب کا موجب ہوتی رہے گی۔ اس واقعہ کو تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گذر گیا، لیکن یہ داستان آج بھی تازہ اور نئی معلوم ہوتی ہے۔ جب کسی انسان کے سامنے کربلا کے سانحہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ حسینؑ نے بہتر بھوکے پیاسے مجاہدوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ کس عظیم مقصد، اور بلند نصب العین کے لئے یزید کے ساتھ ٹکرانے کا عزم کیا تھا؟ حسینؑ کے نانا ''رسولؐ عربی'' سے پہلے دنیا کی حالت بگڑ چکی تھی، قتل و غارت گری، لوٹ مار، جوا اور بدکاری کا دور دورہ تھا، انسان اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے معبودان باطل کے سامنے سر جھکانا کمال انسانیت سمجھتا تھا۔ وہ حجر و شجر، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا۔ فسق و فجور کی آندھیاں اٹھ رہی تھیں، جور و استبداد کا دور دورہ تھا، دختر کشی کی رسم عام تھی، خون انسانی سے ہولی کھیلنا دل چسپ مشغلہ قرار پا گیا تھا۔ مصر کی روشنی وہاں کے میناروں کے اندر دفن ہو کر رہ گئی تھی، روما کی تہذیب مٹ چکی تھی، یونان کا فلسفہ برباد ہو چکا تھا، ہندوستان اور چین کی ترقی کی داستانیں بھلائی جا چکی تھیں غرض کہ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ ضرورت تھی، کہ کوئی ایسا ہادی اعظم آئے کہ جو اس جہالت زدہ دنیا کی اصلاح کر دے۔ انسان حجر و شجر آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے، اپنے منصب و مقام اور اپنی شان کو پہچانے۔ رحمت حق جوش میں آئی، فاران کی چوٹیوں پر نور رسالتؐ چمکا، اور اس نور مقدس کی ضیا سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا، رہزن رہبر بن گئے، جاہل عالم ہو گئے، اور درندے نما انسان مہذب و متمدن نظر آنے لگے۔

داعی اسلامؐ نے اپنے اخلاق، اعلیٰ کیریکٹر، اور سچائی سے انسانی دلوں پر اپنا سکہ ایسا جمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے شرق سے غرب تک ان کا پرچم لہرانے لگا۔ ابھی رسولؐ کو اپنے مشن کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے ۲۳ رسال ہی ہوئے تھے، کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی لوگوں کی ذہنیت میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اسلام مختلف منزلوں سے گذر کر ۶۱ھ میں یزید کی بدکرداریوں کی آماجگاہ بننے لگا یزید کے افعال اسلام کی تعلیمات کے سراسر منافی تھے۔ وہ اپنے کردار کو اسلامی تعلیمات ظاہر کر کے نائب رسولؐ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا، لیکن وہ خوب سمجھتا تھا کہ میرا عمل و کردار اس وقت تک اسلامی لباس نہیں پہن سکتا تھا کہ جب تک امام حسینؑ اس پر مہر تصدیق ثبت نہ کر دیں۔ چنانچہ یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی، سب سے پہلا جو فرمان جاری کیا، وہ یہی تھا، کہ نواسۂ رسولؐ، جگر گوشۂ بتول، امام حسینؑ سے بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو سر قلم کر لیا جائے، حسینؑ اور یزید کی بیعت؟ حسینؑ نے سوالِ بیعت کو ٹھکرا دیا، اور یزید پر واضح کر دیا کہ

ماسوااللّٰہ رامسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

حسینؑ علمبردار آزادی، محمدؐ عربی کا نواسہ اور علی مرتضیٰؑ جیسے بہادر باپ کا بیٹا تھا۔ حسینؑ نے اعلان کیا، کہ اگر راہ صداقت میں گھر لٹتا ہے، تو لٹ جائے اور بچے کٹتے ہیں تو کٹ جائیں، اہل حرم بے پردہ ہوتے ہیں، تو ہوجائیں، لیکن اسلام کے اصول پائمال نہیں ہونے دوں گا، اپنے نانا کے دین پر حرف نہیں آنے دوں گا، میں نے رسولؐ اسلام کی زبان چوس چوس کر پرورش پائی ہے، میری رگوں میں خون فاطمی موجزن ہے، میرے بازوؤں میں خیبر شکن کی قوت موجود ہے، میرے سامنے میرے باپ علی مرتضیٰ کی روشن سیرت ہے، میرا یزید کے سامنے جھکنا، ایمان کا کفر کے سامنے جھکنا ہے، حق کا باطل کے آگے سرنگوں ہونا ہے، انسانیت کا حیوانیت کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ حسینؑ بیعت تو کر سکتا ہے لیکن اپنے سے افضل کی۔ حسینؑ نے جھکنا تو سیکھا ہے، لیکن صرف خدائے واحد کے سامنے، حسینؑ سر تسلیم خم کر سکتا ہے، مگر صرف اسلامی اصولوں کے آگے، حسینؑ کی گردن کٹ تو سکتی ہے لیکن یزید کے سامنے جھک نہیں سکتی۔ حسینؑ کے اس مجاہدانہ اعلان کو سن کر یزید زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ یزید نے پوری قوت کے ساتھ حسینؑ کے خلاف صف آرائی کی، اور ادھر حسینؑ بھی آزادی کا پرچم لہرانے کے لئے میدان عمل میں نکلے، لیکن عجب شان کے ساتھ۔ یزید باطل کا نمائندہ بن کر میدان میں آیا، اور حسینؑ حق کا پیکر بن کر۔ یزید کی طرف طاقت، ٹڈی دل لشکر اور سیم وزر تھا، سامان رسد تھا، تلواریں تھیں، نیزے اور تیر وتفنگ۔ حسینؑ کے ساتھ ۷۲ مجاہد تھے، جن میں رسولؐ عربی کے اصحاب راویان حدیث، حافظان قرآن بھی تھے، اور چھ ماہ کے بچے سے لے کر سو سال کے بوڑھے بھی۔ حسینؑ کی طرف نہ مادی قوتیں تھیں، نہ سامان حرب وضرب، تین دن سے آب ودانہ بند، لیکن حسینؑ کا ایک ایک ساتھی ہزاروں پر بھاری تھا۔ ہر ایک نے توکل کی زرہ زیب تن کر رکھی تھی، حق و صداقت کا تاج سر پر، عروس شہادت سے ہمکنار ہونے کا ولولہ، جب ہر حسینی مجاہد اس سج دھج سے میدان میں اترا تو باطل کا دل دہل گیا۔ ادھر سے باطل بڑھا، ادھر سے حق، ادھر سے حیوانیت سامنے آئی، اور ادھر سے انسانیت جلوہ گر ہوئی، ادھر سے شر بڑھا اور ادھر سے مجسمۂ خیر نے پیش قدمی کی، دونوں طاقتوں کا تصادم ہوا بہتر لہو کے پیاسے مجاہدوں نے لاکھوں کے منہ موڑ دیئے۔

تیروں کی بارش ہونے لگی، تلواروں کی بجلیاں کوندنے لگیں، لیکن کیا مجال کہ علمبردار آزادی، حسینؑ کے قدموں میں لغزش پیدا ہو، یا استقلال میں فرق آئے، مصائب جوں جوں شدید ہوتے جاتے تھے، حسینؑ کے عزم اور ارادہ میں پختگی اور ہمت وجرأت میں استحکام ہوتا جاتا تھا۔ مصائب طرح طرح کے بھیس بدل کر آئے، کبھی نوجوان فرزند کی موت کی شکل میں، کبھی شیر خوار بچے کی دردناک شہادت کی صورت میں، اور کبھی اہل حرمؑ کی بے پردگی کے روح فرسا انداز میں۔ باطل کے ترکش میں جس قدر تیر تھے، وہ سب ختم ہوگئے، لیکن حسینؑ کی جبین ہمت پر شکن نہ آئی۔ بظاہر یزید کو فتح ہوئی اور حسینؑ کو شکست، لیکن حقیقت میں یزیدیت کو ایسی شکست فاش ہوئی، کہ آج تک اس کا نام داخل دشنام ہوگیا، اور حسینؑ کو ایسی فتح حاصل ہوئی کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی حسینی فتح کا ڈنکا بج رہا ہے۔ حسینؑ آج بھی حق وصداقت کے پرستاروں اور عدل وانصاف کے مبتلا شیون کے لئے درس عمل بنے ہوئے ہیں۔

حسینؑ کی قربانی کو یہ عظمت حاصل نہ ہوتی اگر میدان میں جا کر سب سے پہلے اپنی جان کا تحفہ پیش کر دیتے۔

حقیقت میں حسینؑ کی قربانی کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور مخلص دوستوں کو اپنے ہاتھوں سے کمر باندھ کر موت کے سامنے پیش کیا۔ برابر کے بھائی، جوان بیٹے یتیم بھتیجے، شیر خوار بچے، ایک ایک کر کے آپ کے سامنے سے جدا ہوئے۔ بھتیجوں کا آنکھوں کے سامنے دم توڑنا، جوان بیٹے کا خاک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(بقیہ صفحہ ۴۱ پر)

صبح ان کی روح پرفتوح نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا مگر ان کی حیات اب بھی اپنی جاودانی توانائیوں کے ساتھ انسانیت کے لئے سر چشمہ استفادہ بنی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کو کبھی موت نہیں آتی وہ ہمیشہ زندۂ جاوید رہتا ہے اور کاروانِ حیات کی مسافرت میں دائمی طور پر شانہ بہ شانہ موجود رہتا ہے مگر یہ اور بات ہے کہ ایک صاحب دانش وبینش کی خالی جگہ کو کسی طرح سے پورا نہیں کیا جا سکتا اگر چہ اس کے فوائد دائمی ہوتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کے لئے یہ شعر بالکل صحیح ٹھہرتا ہے۔

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

التماس فاتحہ خوانی برائے ایصال ثواب

محترمہ اشرف جہاں صاحبہ بنت نوشاد علی صاحب

ملتمس: شرافت حسین (شوہر) شباہت حسین (فرزند) مفتی گنج لکھنؤ

(صفحہ ۵۳ر کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

(۹۵)

زینبؑ یہ بین کرتیں تھیں ہمشیر کیا کرے
انبوہِ غم میں بے کس و دلگیر کیا کرے
سر کی ردا بچانے کی تدبیر کیا کرے
کیا جانئے خرابیٔ تقدیر کیا کرے
قاسمؑ رہے نہ عونؑ و محمدؑ ، میں کیا کروں
برگشتہ ہے نصیب تو کس کا گلا کروں

(۹۶)

نظمیؔ فغاں فغاں کہ علمدار چل بسا
تشنہ لبوں کی فوج کا سالار چل بسا
نورِ نگاہِ حیدرِ کرارؑ چل بسا
سقائے بنتِ سید ابرار چل بسا
گو گرمیٔ حیات گئی تابِ دل گئی
لیکن وفا کو منزلِ معراج مل گئی

(صفحہ ۲۷ر کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''حسینؑ آزادی کے علمبردار'')

پر ایڑیاں رگڑنا، بھائیوں کا جوانی کے عالم میں موت کی نیند سونا، یہ وہ مصائب تھے، جن میں سے ہر ایک موت سے زیادہ ناقابل برداشت ہے، مگر حسینؑ نے یہ سب قربانیاں یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھوں پیش کیں، اور جس قدر مصائب زیادہ ہوتے جاتے تھے، آپ کا چہرہ زیادہ تابناک ہوتا جاتا تھا، اور آپ کے صبر واستقلال میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ❁❁❁

(امامیہ مشن لکھنؤ اشاعت نمبر ۲۹۳ر محرم ۱۳۸۰ھ)

(صفحہ ۲۵ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''جناب خدیجۃ الکبری

سے نجات پائے ہوئے کچھ ہی دن گذرے تھے۔ عمر ۶۵ سال تھی۔ حضورؐ خود قبر میں اترے۔ مقبرہ حجوں میں جو کہ جناب عبدالمطلبؑ وابوطالبؑ کی ابدی آرامگاہ ہے، یہ محترمہ بھی سپرد خاک کی گئیں۔

حضورؐ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' رکھا۔ بس یہ حضرتؐ کے حزن وملال کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔

طاہرہ کی پاکیزہ ادبیت

آپ کے ادبی کمال کا مظاہرہ نظم کی صورت میں تاریخ کے صفحات پر موجود ہے جن میں آپ نے حضرت کی مدح فرمائی ہے اور رغبت اور شدید میلان کا ثبوت دیا ہے۔

ہم بہ نظر اختصار یہاں قلم انداز کرتے ہیں۔ ❁❁❁

(امامیہ مشن لکھنؤ، سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۷۶ر) (۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۰ر اگست ۱۹۵۵ء)